اور تجدیدی پہلو کا لحاظ کرنا چاہیئے ورنہ اس کے کلام کی کچھ زیادہ قدر و قیمت نہیں ہوگی۔

ابن قتیبہ نے الفاظ کے صرفی، نحوی قاعدے اور بلاغی نقاط (ابو عبیدہ کی پیش کشی پر کوئی اضافہ ابن قتیبہ نہیں کر سکا ہے۔) اوزان و قوافی پر جا بجا بحث کی ہے لیکن کسی جگہ پر مرتب شکل میں نہیں ہے۔ ان تمام باتوں میں اس کا نقطۂ نظر روایتی ہے گرچہ اس کے نزدیک کسی صرفی و نحوی قاعدہ سے انحراف، بلاغت کا لحاظ نہ کرنا اوزان و قوافی کے اصول کی پابندی عمود شعری کے مطابق نہ کرنا کسی بھی فن کا عیب ہے۔

ابن قتیبہ نے شعر کے معیار قائم کرنے اور تنقیدی نقطۂ نظر سے اس کی بعض خصوصیات معلوم کرنے کے لیے یہ معیار بھی قائم کیا ہے کہ شعر فی البدیہہ کہا گیا ہے یا اس کے بنانے سنوارنے میں فنی کاوش سے کام لیا گیا ہے۔ پہلی صورت کو "مطبوع" اور دوسری صورت کو "متکلّف" سے تعبیر کیا ہے۔ اس نے دونوں ہی اصطلاح کی جو تعبیر و تشریح کی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابن قتیبہ نے دونوں اصطلاح کو اس معنی میں استعمال نہیں کیا ہے۔ جس معنی میں عام طور سے موجودہ دور میں مستعمل ہیں۔ متکلف جس کو شاعری میں عیب سمجھا جاتا ہے۔ ابن قتیبہ کی تشریح کے مطابق وہ ایک ہنر، فنی عمل اور حسن عمل ہے۔ متکلّف شاعر کے متعلق وہ کہتا ہے کہ وہ شاعر جس نے اپنے شعر کو آراستہ کر کے سنوارا" چھان بین کر کے اس کی تنقیح کی، اور اس پر بار بار غور کیا وہ متکلّف ہے اس کی مثال زہیر اور حطیئہ سے دی ہے[۱۱]

اسی طرح وہ متکلّف شعر کے متعلق کہتا ہے کہ عمدہ شعر جو فنی معیار پر ہے اور اہلِ علم کے نزدیک اس کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔ اور ان کے سامنے یہ ظاہر ہے کہ شاعر نے طویل غور و فکر، پوری توجہ صرف کر کے محنت شاقہ کے بعد شعر کہا ہے اور جس خیال یا معنی کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کو حذف کر دیا گیا ہے اور جس معنی یا خیال کی شعر میں ضرورت ہے اس کو باقی رکھا گیا ہے[۱۲]

یہاں پر دو باتیں قابل لحاظ ہیں ایک تو یہ کہ ابن قتیبہ نے جس کو تکلف سے تعبیر کیا ہے۔ اسے لفظ "صَنْعَة" سے تعبیر کرنا چاہتا تھا۔ اس لیے کہ جس چیز کو وہ "تکلف"

کہتا ہے۔ وہ فنی اعتبار سے "صَنْعَۃ" ہے، اسی طرح اس نے ان دونوں الفاظ کے مفہوم کو خلط ملط کر دیا ہے۔ اس لیے کہ عام طور سے جو مفہوم "صَنْعَۃ" کا ہے وہ "تکلف" کا نہیں اور جو تکلف ہے وہ "صَنْعَۃ" کا نہیں۔[13]

دوسری بات جو اسی سے متعلق ہے یہ کہ تنقیح و تہذیب اور شعر کہتے وقت غور و فکر، کسی لفظ کی جگہ پر بہتر لفظ کا انتخاب اور قصیدہ میں کسی شعر کے خارج کر دینے یا شعر میں تقدیم و تاخیر کرنے، شعر کو زیادہ دلکش اور زبان و بیان کو بلیغ و شگفتہ بنانے کا عمل فنی کاوش اور فنی عمل ہے۔ وہ معیاری شعر یا قصیدہ کے لیے اچھی بات ہے کوئی عیب نہیں ہے۔ اسے تکلّف نہیں کہہ سکتے اس کو "صَنْعَۃ" یا فنی طرز عمل کہہ سکتے ہیں۔

ابن قتیبہ کے نزدیک متکلف، مطبوع کے مقابلہ میں کمتر درجہ کی شاعری ضرور ہے۔ لیکن وہ عیب نہیں ہے۔ اس نے جسے شعر متکلف کہا ہے اس کے نزدیک وہ عمدہ اور فنی معیار پر ہوتا ہے۔ زہیر اور حطیئہ کی شاعری میں یقیناً فنّی معیار پر تھی۔ یہ تو ہو سکتا ہے کہ بعض ایسے عیوب ہوں جو شاعر کی خوبیوں پر اثر انداز ہوتے ہوں لیکن جس تکلّف کو ہم عیب سمجھتے ہیں وہ بات ان دونوں شعراء کے کلام میں نہیں پائی جاتی ہے۔ ابن قتیبہ یقیناً زہیر اور حطیئہ کی شاعری کو فنّی معیار سمجھتے تھے، پھر بھی ڈاکٹر محمد مندور نے ابن قتیبہ پر الزام لگایا کہ اس کے علاوہ کسی نے زہیر اور حطیئہ کی شاعری پر تکلّف کا الزام نہیں لگایا۔[14]

ابن قتیبہ پر مندور کے اس الزام کی نفی خود اس کی باتوں سے ہوتی ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ دور جدید میں لفظ تکلف کو تصنع کے قریب ترین مفہوم میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اور ابن قتیبہ کے نزدیک تکلف کا دوسرا مفہوم تھا جیسا کہ اس نے تکلف سے مراد تثقیف، تنقیح، تراش و خراش، اور کلام کا سنوارنا لیا ہے۔ اس سے قبل جاحظ اور اصمعی نے تقریباً اسی مفہوم میں اس لفظ کو استعمال کیا ہے۔ اصمعی کا ایک قول حطیئہ اور زہیر کے سلسلہ میں ابن قتیبہ نے خود نقل کیا ہے[15] جاحظ نے اصمعی کا ایک قول نقل کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ ہر وہ شاعر جس نے اپنے تمام شعر میں فنی خوبی پیدا کیا ہے۔ شعر کہنے سے پہلے اس نے غور و فکر سے کام لیا ہے۔ اور قصیدہ کے سب کے سب اشعار کو یکساں فنّی معیار پر لانے تک غور و خوض اور

سنوارنے کا کام کیا ہے[16] غرض کہ جاحظ اور اصمعی کے نزدیک تکلف کا بنیادی مفہوم یہی ہے جو ابن قتیبہ کا ہے۔ یعنی وہ ایک فنی عمل ہے ــــ محمد مندور بھی اس بات کو طٰہٰ احمد ابراہیم کے حوالے سے تسلیم کرتا ہے کہ شعر میں بدیع یا بلاغت یا ظاہری جمالیاتی خوبی اسی وقت پیدا ہوتی ہے۔ جب شعر دو مرحلے سے گذرے ایک فکر دوسرے اس کی تحسین و تزیین کے مرحلہ سے[17] اور یہ فنی عمل شاعری یا فن کے لیے کوئی عیب نہیں ہے۔

اس بنیاد پر محمد مندور کی تحریروں میں تضاد پایا جاتا ہے۔ مندور نے زہیر اور حطیہ کی شاعری کے سلسلہ میں جس بات کو عیب قرار دیا وہ درحقیقت عیب نہیں ہے بلکہ "تکلف" کے مفہوم اور معنوی استعمال کا بنیادی فرق ہے۔

عبدالسلام عبدالحفیظ عبدالعال کے حوالہ سے ایک بات اور قابل ذکر ہے کہ ڈاکٹر علی عمار نے اپنے تحقیقی مقالہ میں ابن قتیبہ کی طرف سے مدافعت کرتے ہوئے یہ بات کہی ہے کہ ابن قتیبہ نے تکلف کو کئی اقسام میں تقسیم کیا ہے۔ ایک تکلف سے مراد شعر کا عمدہ ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں تکلف کا مفہوم فنی عمل اور فن کاری ہے اور اس کی دوسری قسم "ردئ الصنعۃ" یعنی فن کے معیار پر نہیں ہے[18] علی عمار کی یہ اپنی تاویل ہے ورنہ ابن قتیبہ نے تکلف کو جس مفہوم میں استعمال کیا ہے وہ واضح ہے کہ تکلف سے مراد.. دور جدید کا معنی تصنع نہیں ہے۔ بلکہ ایسا فنی عمل اور شاعری مراد ہے۔ جو فی البدیہہ نہیں کہی گئی ہے بلکہ اس کو مکمل شکل میں پیش کرنے سے پہلے شاعر احساسات اور فکر و خیال کی ترجمانی کے لیے بہتر سے بہتر اسلوب، پیرایۂ بیان، طرز ادا، تقدیم و تاخیر، زبان و بیان کی صحت پر غور و فکر اور بار بار کے امعان نظر کا جو عمل انجام دے وہ تکلف ہے۔ اور جو شعر اس مرحلہ سے گذرے اسے متکلّف کہا گیا ہے اور جو شاعر ایسا کرے اسے متکلِّف کہا گیا ہے اور ابن قتیبہ کے نزدیک دوسرے درجہ کی شاعری ہے۔

مشاعر بطوع کا مفہوم ابن قتیبہ کے نزدیک یہ ہے کہ شاعر فطری طور پر قادر الکلام ہے وہ شعر برجستہ کہنے پر قادر ہوتا ہے۔ اور اس کی شاعری طبع زاد ہوتی ہے اس کو شعر کو صوری و معنوی اعتبار سے مکمل طور پر پیش کرنے میں کسی تنقیح یا تہذیب کے مرحلہ سے گذرنے

کی چنداں ضرورت نہیں ہوتی ہے ۔ احساسات و جذبات، افکار و معانی شاعر میں اس طرح موجزن ہوتے ہیں کہ شاعر طبعی طور پر شعر کہنے پر مجبور ہوتا ہے ۔ اس میں آمد ہی آمد ہوتی ہے ایک مصرع کہتے ہی دوسرا مصرع سیل رواں کی طرح سامنے آجاتا ہے اور اس میں شاعرانہ جمالیاتی کیفیت بغیر تہذیب کے پیدا ہوتی ہے ۔ فطری طور پر رعنائی جمال اور جمالیاتی عناصر پوری شعریت کے ساتھ موجود ہوتے ہیں ۔ افکار و معانی کے لیے فکری کاوش یا معنوی تجسس کی ضرورت نہیں ہوتی ہے بلکہ الفاظ و معانی شاعر کے سامنے دست بستہ کھڑے ہوتے ہیں اور شاعر جب جس طرح چاہے انسے شعری سانچہ میں ڈھالتا ہے ۔ فکر و خیال اور زبان و بیان پر اس قدر اس کو قدرت حاصل ہوتی ہے کہ شاعر بآسانی ایسا فن پیش کرتا ہے جس میں حسن دلآویزی اور تاثیر کلام بیک وقت پائی جاتی ہے ۔

ابن قتیبہ رقمطراز ہے :۔

"شاعر مطبوع وہ ہے جو شعر (کہنے پر) قادر اور قوافی پر اس کی گرفت ہے ۔ شعر کے پہلے مصرعہ میں اس کے دوسرے مصرعہ کی کیفیت آپ کے سامنے آجاتی ہے ۔ اس کے ابتداء ہی میں اس کے قافیہ کا اندازہ ہوجاتا ہے اس کے شعر میں فطری حسن اور دلکش اسلوب نمایاں ہوتا ہے اور جب اس سے برجستہ شعر کے لیے کہا جائے تو اس کی زبان نہ لڑکھڑائے ۔" ۱۹

ابن قتیبہ نے جس قسم کی شاعری کے لیے مطبوع کی تعبیر استعمال کی ہے اس کو ارتجال کہہ سکتے ہیں ۔ اس لیے کہ شعر مطبوع کے دوسرے اوصاف کے ساتھ اس نے ایسی شاعری کے شاعر کے لیے یہ بھی قید لگائی ہے کہ جب امتحاناً شاعر سے کسی بھی موضوع یا خیال کو ادا کرنے کے لیے کہا جائے اور وہ برجستہ شعر کہہ دے تو وہ مطبوع ہے ۔ حالانکہ جب فرمائش پر یا موقع محل سمجھ کر شاعر برجستہ شعر کہے ۔ اور شعر اپنے تمام محاسن شعری کا حامل ہو تو یقیناً وہ شعر مرتجل بھی ہو سکتا ہے یعنی جسے عام اصطلاح میں مرتجل یا ارتجال سے تعبیر کرتے ہیں ۔ ابن قتیبہ نے اسی کو طبع اور مطبوع سے تعبیر کیا ہے ۔

شعر مطبوع کا ذکر کرتے ہوئے ابن قتیبہ نے ایک بات یہ بھی کہی کہ شعراء کے طبائع

مختلف ہوتے ہیں اس لیے ہر ایک صنف شاعری پر ان کی طبیعت یکساں نہیں چلتی ہے۔ اور ہر ایک شاعر مرتجلاً ہر صنف شاعری پر طبع آزمائی نہیں کر سکتا ہے اور نہ ہی اچھا شعر کہہ سکتا ہے۔ اس کی طبیعت خاص صنف کے علاوہ دوسری صنف شاعری پر جولانی طبع کا اظہار نہیں کر سکتا ہے۔ بعض شعراء مدحیہ قصائد، بعض ہجوگوئی، بعض مراثی اور بعض غزل گوئی پر زیادہ قادر ہوتے ہیں، اور ان کی طبع زاد مرتجل شاعری ان ہی اصناف تک محدود رہتی ہے۔ اس کی مثالیں کثرت سے شعراء کے کلام میں پائی جاتی ہیں۔

ابن قتیبہ کے تنقیدی مباحث کا ایک اہم نقطہ یہ بھی ہے کہ اس نے وجدان و شعور کو شعر کے معنوی محاسن کا ایک لازمی جز قرار دیا ہے۔ اس نے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انسان کی فطرت میں ہے کہ انسان فطری طور پر حالات سے متاثر ہوتا ہے، اس کی زندگی میں خوشی ومسرت کے مواقع بھی آتے ہیں، غم اور حزن وملال کے لمحے بھی آتے ہیں۔ کہیں امید کی گھڑیاں بھی آتی ہیں، مایوسی اور قنوطیت کے اوقات بھی آتے ہیں فطری شاعر جو فطری طور پر حساس ہوتا ہے یہ نفسیاتی کیفیات اور حالات مختلف کیفیت میں اس کے وجدان اور عاطفہ کو ابھارتے ہیں۔ اور شاعر شدت احساس کی کیفیت میں تخیل و فکر کو ترتیب دے کر معانی کا گلدستہ الفاظ کے گل و بوٹے کے ساتھ سجاتا ہے شعر گوئی کے لیے احساسات کو بیدار کرنے کے عوامل پر بحث کرتے ہوئے ابن قتیبہ رقمطراز ہے کہ شراب یا طرب، طمع یا غضب یا شوق، شعر گوئی کے لیے شاعر کے جذبہ کو ابھارتا ہے تو وہ شعر کہتا ہے[۲۰]۔ اس کے بعد اس نے اپنے نقطۂ نظر کی تائید میں کئی شعراء کی مثالیں دی ہے۔

ابن قتیبہ اس نقطہ کو تو سمجھ سکا کہ انسانی جذبات و احساسات شعر گوئی کے لیے اہمیت کے حامل ہیں اور شعر گوئی کا سبب بنتے ہیں لیکن اس نے انسانی جذبات کے ابھارنے اور احساسات کے تار کو چھیڑنے کے جو اسباب یہاں بیان کئے ہیں ان میں غضب اور طمع کو بھی شامل کیا ہے یہ ادبی ذوق و مذاق اور شعر گوئی کے اصول کے خلاف ہے مال ودولت کی حرص اور غیر شریفانہ رویہ پر شاعر کے جذبات برانگیختہ ہو جائیں اور شعر وجود میں آجائے یا اس طرح نشہ کی حالت میں عمدہ فکر و خیال کا وجود میں آنا کوئی ممکن بات نہیں ہے اور اس

کی وجہ سے ایسی شاعری وجود میں آئی جس سے شریفانہ جذبات اور پاکیزہ جمالیات کا اظہار بھی ہو۔ شاید ہی ممکن ہو۔ اس لیے جن نفسیاتی کیفیات کو ابن قتیبہ نے شعر گوئی کا داعی اور باعث قرار دیا ہے۔ ادبی مذاق اور اصول کے خلاف ہے۔ بنت الشاطی نے اس پر سخت تنقید کرتے ہوئے کہا ہے کہ جب جذبہ پاکیزہ نہیں ہے۔ اس کے عوامل پاکیزہ نہیں ہیں تو یقیناً ان کی وجہ سے جو خیال وفکر وجود میں آئے گا وہ بھی پاکیزہ نہیں ہوگا۔[۲۱]

اس کے بعد ابن قتیبہ نے جو بات کہی ہے وجدان وعاطفہ اور انسانی نفسیات کے جس پہلو پر غور کیا ہے بنیادی اصولی طور پر اہم ہے۔ اور شعری تنقید کے لیے اصول فراہم کرتی ہے۔ شاعر کی نفسیاتی کیفیت کا مزید تجزیہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ بسا اوقات آسان خیال کا اظہار مشکل ہو جاتا ہے۔ اور کبھی آسان مشکل ہو جاتی ہے۔ اس لیے کہ انسانی نفسیات پر مختلف عوارض کام کرتے رہتے ہیں اور نفسیات مختلف چیزوں سے متاثر ہوتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ زمان ومکان بھی انسانی جذبہ وشعور پر اثر انداز ہوتے ہیں اگر کوئی جگہ ایسی ہے جہاں مناظر خوبصورت ہیں۔ زمین سرسبز وشاداب ہے۔ باغات حسین ہیں یا کوئی قدرتی حسین علاقہ ہے۔ جس میں خوبصورت درخت، نوع بنوع اور رنگ برنگ کے پھول کھلے ہیں۔ صاف وشفاف چشمے اُبل رہے ہیں۔ نہریں بہہ رہی ہیں۔ اور آب رواں مدھم نغمے چھیڑتے ہوئے جاری ہے۔ اس باغ وبہار اور قدرت کے حسین مناظر پر جب فطری اور حساس شاعر کی نظر پڑتی ہے تو اس کا وجدان اس کو شعر کہنے کے لیے بے چین وبے قرار کر دیتا ہے۔ نفسیاتی کیفیت شعر گوئی کے لیے اسے مجبور کر دیتی ہے۔ اور کسی بہتے ہوئے چشمے کی طرح شعر رواں ہو جاتے ہیں۔ موسم بہار ہو تو شاعر کی طبیعت کچھ اور ہی ہوتی ہے ــــ اگر اس کے برخلاف ہو تو طبیعت آمادہ نہیں ہوتی اور شعر کہنا دشوار ہو جاتا ہے۔[۲۲]

ابن قتیبہ نے انسانی نفسیات، شاعرانہ تخیل، وجدان واحساس اور زمان ومکان کے متاثر کرنے والے عوامل کو شعر کی تنقید کے اصول کی حیثیت سے پہلی بار عربی تنقید میں شامل کیا ہے۔ یہ اس کے شعری ذوق اور ادبی تنقیدی نقطۂ نظر

کی واضح علامت ہے۔

ابن قتیبہ نے بعض اور جزئی مسائل پر بھی گفتگو کی ہے۔ بعض تنقیدی اصول اور نظریاتی پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔ شعراء کے تراجم میں بعض بنیادی نقاد کی طرف اشارے ملتے ہیں۔ لیکن جن اہم بنیادی باتوں کی طرف مقدمۂ الشعر والشعراء میں اشارہ کیا ہے اس کا جائزہ گذشتہ صفحات میں پیش کیا گیا اور ان ہی باتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے محمد مندور نے کہا تھا کہ ابن قتیبہ نے ان کو اصولی کی حیثیت سے وضع کرنے کی کوشش کی ہے[۲۳] ابن قتیبہ نے کتاب کے مقدمہ میں اور شعراء کے تراجم اور ان کے کلام پر تبصرہ کرتے ہوئے جن تنقیدی مباحث کو پیش کیا ہے محمد مندور خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہتا ہے کہ یہ واقعہ ہے کہ "ابن قتیبہ کی شخصیت ایسی تھی جس کی اپنی مستقل رائے ہوتی تھی، ادب کے میدان میں عربوں کی تقلید یا روش کے سامنے جھکنے والے نہیں تھے، ان کی (تنقیدی) رائے اور فیصلہ پر اعتبار بھی کرنے والے نہیں تھے اور اس کے زمانہ میں جو ادبی خیالات و افکار عام تھے ان سے مطمئن نہیں تھے"[۲۴]

اور یہ حقیقت ہے کہ ابن قتیبہ نے جس تنقیدی خیالات کا اظہار کیا ہے وہ اس کی بالغ نظری اور جامعیت پر دلیل کرتا ہے۔ اپنے عہد کے اعتبار سے اس کے تنقیدی نظریات ترقی یافتہ تھے، لیکن یہ بات ضرور ہے کہ اس کے افکار و خیالات میں جدّت کی روشنی ہونے کے باوجود اس کے عقل و دماغ پر قدامت اور تقلید کا اثر غالب تھا۔ بیک وقت مسجد و میخانہ دونوں کا رخ کرنا چاہتا تھا۔ عربوں کے قدیم ورثہ کے معیار کو باقی رکھنے کے خیال اور علوم عقلیہ پر مہارت نے اس کے تنقیدی افکار کو وہ برگ و بار لانے کا موقع نہیں دیا۔ جس کی توقع ابن قتیبہ کے علمی مطالعہ اور فکری وسعت سے کی جا سکتی تھی، پھر بھی ادبی تنقید کے میدان میں اس کا ایک حصہ ہے۔ محمد مندور کی طرح یہ نہیں کہہ سکتے کہ سب کچھ کے باوجود وہ ناقد نہیں ہے اس لیے کہ ناقد وہ ہے جو نصوص پر اصول کی طرح تطبیق کرتا ہے اور مختلف اسالیب کے مابین فرق کرتا ہے[۲۵] محمد مندور کا یہ خیال اپنی جگہ پر ہے۔ لیکن اسی محمد مندور نے تنقیدی منہج کی

تلاش ابن قتیبہ کے منتشر افکار و خیالات میں کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور عربی تنقید کے ارتقاء میں ایک کڑی کی حیثیت سے جوڑنے کی سعی کی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ابن قتیبہ ناقد ضرور ہے۔ یہ اور بات ہے کہ بعد کے عہد کے ناقدین کے معیار پر نہیں ہے۔ اور نہ ہی اس ارتقائی عہد میں اس کی توقع کی جا سکتی ہے۔

حواشی

۱ھ۔ عبد السلام عبد الحفیظ عبد العال۔ نقد الشعر بین ابن قتیبۃ و ابن طبا طبا العلوی (دار الفکر العربی، قاہرہ ۱۹۷۸ء) ص ۱۶۔ ۲ھ۔ ایضاً ص ۱۰۹۔
۳ھ۔ ڈاکٹر محمد طاہر درویش۔ فی النقد الأدبی عند العرب (دار المعارف۔ قاہرہ ۱۹۷۹) ص ۱۰۹
۴ھ۔ ابن قتیبہ:۔ الشعر والشعراء تحقیق احمد محمد الشاکر (دار المعارف، قاہرہ ۱۹۸۲ء) الجزء الاول ص ۵۹۔ ۵ھ۔ ڈاکٹر محمد مندور۔ النقد المنہجی عند العرب (دار مصر) ص ۲۲۔
۶ھ۔ الشعر والشعراء (مطبعۃ بریل) ص ۲۔ ۷ھ۔ النقد المنہجی عند العرب ص ۳۳۔ ۸ھ ایضاً ص ۳۴، ۳۵۔ ۹ھ۔ محمد زکی العشماوی: قضایا النقد والبلاغۃ (دار الکتاب العربی ۱۹۶۷) ص ۲۸۱
۱۰ھ۔ عبد السلام عبد الحفیظ عبد العال ص ۲۳۲۔ ۱۱ھ۔ الشعر والشعراء (قسطنطینۃ ۱۲۸۲ھ) ص ۷۔ ۸۔ ۱۲ھ۔ ایضاً ص ۱۱۔ ۱۳ھ۔ ڈاکٹر عز الدین اسماعیل: الاسس الجمالیۃ فی النقد العربی (دار الفکر العربی ۱۹۷۴) ص ۱۴۹۔ ۱۴ھ۔ النقد المنہجی عند العرب ص ۳۹۔
۱۵ھ۔ الشعر والشعراء (قسطنطنیہ ۱۲۸۲ھ) ص ۸۔ ۱۶ھ۔ جاحظ: البیان والبین۔ (قاہرہ ۱۹۶۱) ۲/۱۳۔ ۱۷ھ النقد المنہجی عند العرب ص ۳۷۔ ۱۸ھ عبد السلام عبد الحفیظ عبد العال ص ۱۷۵۔ ۱۷۶۔ ۱۹ھ الشعر والشعراء (قسطنطینۃ ۱۲۸۲ھ) ص ۱۲۔ ۲۰ھ ایضاً ص ۹۔ ۲۱ھ بنت الشاطی۔ قیم جدیدۃ الادب العربی ص ۵۷۔
۲۲ھ۔ الشعر والشعراء ص ۹۔ ۲۳ھ النقد المنہجی عند العرب ص ۲۲۔
۲۴ھ ایضاً۔ ۲۵ھ۔ ایضاً ص ۴۶۔

مصر میں عربی صحافت کی ابتداء

"امتیاز احمد اعظمی ریسرچ اسکالر شعبہ عربی۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی"

(۱)

یہ حقیقت ہے کہ یکجا اور ایک سماج وسوسائٹی میں رہنے والے لوگ ابتداء ہی سے اس بات کے خواہاں رہے ہے کہ ان کو دوسرے لوگوں، دوسرے معاشرے، ایک دوسرے ملک کے حالات وکوائف، دہاں کی تہذیب وتمدن، اور وہاں پیش آنے والے روزمرّہ کے واقعات سے آگاہی حاصل ہو۔ اگرچہ ذرائع ابلاغ کی کمی اور وسائل نشریات کی ایجاد نہ ہونے کی وجہ سے خبر رسانی اور ابلاغ ونشریات کا کام بحسن وخوبی انجام نہ پاسکا۔

دنیائے عربی میں خبر رسانی کا فریضہ زبانی، مکتوبہ بھیج کر، یا کسی چیز پر کوئی خاص بات لکھ کر کسی مشہور جگہ پر لٹکا کر انجام پاتا، چنانچہ قدیم عرب میں یہ بات صاف طور پہ نظر آتی ہے کر ہر فرد ایک دوسرے شخص کے بارے میں، اور ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ کے معاملات سے جانکاری حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ شعراء تو قدیم دور میں صحافتی کام کرتے ہوئے نظر آتے تھے۔ ہر بات اور ہر خبر سے وہ لوگوں کو باخبر کرتے۔ دراصل ان کو وہی نمایاں مقام اور امتیازی مرتبہ حاصل تھا جو عصر نو میں صحافی حضرات کو حاصل ہے۔ اس طرح جاہلی شعر وشاعری اس دور کی صحافت کے مانند نظر آتی ہے اور ایک شاعر ایک صحافی کی طرح خبر رسانی کا کام کرتا دکھائی پڑتا ہے۔

صدر اسلام اور اموی دور میں خبر رسانی اور اپنی بات کو ایک دوسرے تک پہونچانے

کے ذرائع ووسائل میں اضافہ ہوا۔ چنانچہ فنِ کتابت کی ایجاد کے باعث خبر رسانی کا کام تحریری شکل میں ہونے لگا اور رسائل کے ذریعہ یہ کام انجام پایا۔ قرآن نے اس فن کو مزید تقویت پہونچائی۔ خبر رسانی کی اہمیت وافادیت سے لوگ آشنا ہوئے۔ عرب جاہلی قوم جن حالات وکوائف تہذیب وتمدن، اور جن ادوار سے گذری، قرآن نے لوگوں کو ان سے چیزوں سے باخبر کیا گویا کہ اس کتاب (قرآن) نے ایک صحیفہ اور جامع رسالہ کی شکل میں خبر رسانی کا فریضہ انجام دیا۔

اس دور میں رسائل نے خبر رسانی، ایک فرد کی بات دوسرے تک پہونچانے اور ایک خطہ کے حالات سے دوسرے علاقہ کے لوگوں کو باخبر کرنے میں اہم رول ادا کیا۔ خلفاء کے عہد میں اس کا عام چلن ہوا۔ رسائل خلفاء کی جانب سے مختلف جگہوں پر گورنر اور وزیروں کے پاس جاتے۔ خاص طور پر حضرت علیؓ اس میدان میں کافی شہرت یافتہ ہوئے۔

عہد عباسی میں فن کتابت اور تحریر کا باقاعدہ رواج ہوا۔ خیالات وجذبات اور واقعات وحادثات کو قلمبند کیا جانے لگا۔ تحصیل علم وفن اور تاریخ نویسی کا عام چلن ہوا اس طرح ایک ملک کے لوگ دوسرے ملک کے رہن سہن، تہذیب وتمدن، سیاست ومعیشت اور علم وفن سے واقف ہوئے اور خبر رسانی کے وسائل وذرائع میں کافی اضافہ ہوا، لیکن اس فن کا آغاز نہیں ہوا جو آج صحافت کے نام سے معروف ومشہور ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ انسان نے جب سے ایک سوسائٹی، ایک سماج اور ایک معاشرہ کی شکل میں رہنے کی ابتداء کی، اس کے اندر فطرتاً یہ خواہش پیدا ہوئی کہ وہ اپنے ماسوا دوسروں کے بارے میں بھی خبر رکھے، چاہے وہ مشرق کا رہنے والا ہو یا مغرب کا۔ چنانچہ مغرب کے لوگ بھی اس صنعت سے عاری نہیں رہے اور ان کے یہاں بھی یہ کام مختلف طریقوں سے انجام پاتا رہا۔

جدید صحافت

ابلاغِ عامّہ کا وہ فن جسے آج صحافت کے نام سے جانا جاتا ہے، جس کا سماج و معاشرہ سے بے انتہا تعلق ہے، جس کو انسانی سوسائٹی میں غیر معمولی قدر ومنزلت

[redacted]